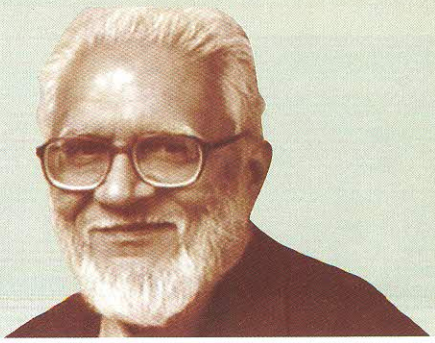

تقدیم

ڈاکٹر محمد خالد مسعود

آج عالم اسلام میں جدید علم الکلام محض ایک نظری بحث نہیں بلکہ ایک تحریک کا عنوان ہے۔ یہ تحریک کیا ہے، اس کے مقاصد کیا ہیں، یہ کن تصورات اور موضوعات سے بحث کرتی ہے، اس کا کچھ اندازہ قارئین کو اس شمارے کے مندرجات سے ہو جائے گا۔

جدید علم الکلام کی تحریک کے بہت سے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ دین کے فہم کو آسان بنانے اور ہر مسلمان کی ذہنی سطح کے مطابق پیش کرنے کے لیے دینی موضوعات کو آسان زبان میں بیان کرنا ضروری ہے۔ اس بات کا احساس علمائے کرام کو بھی ہے لیکن ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قدیم علم الکلام کی زبان میں بات کرتے ہیں جو بھاری بھرکم اصطلاحات، فلسفیانہ تصورات، مشکل پیرایہ زبان اور پیچیدہ طرز استدلال سے عبارت ہے۔ اس طرح ان کی بات عام آدمی تو کیا پڑھے لکھے مسلمان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ اس مجبوری کے زیر اثر یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ دین غور و فکر کی نہیں محض اطاعت اور عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جدید دور میں نوجوانوں اور علماء کے درمیان دوری پیدا ہوتی گئی جو بالآخر دین سے دوری کا سبب بنی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اس بات کا احساس تھا۔ انہوں نے علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب میں جدید دور کے نوجوانوں اور علما کے درمیان دوری کا ذکر کرتے ہوئے اس کا سبب یہ بتایا کہ جدید تعلیم یافتہ لوگ ان علوم سے واقفیت نہیں رکھتے جن کے حوالے سے علما گفتگو کرتے ہیں۔ اس لئے وہ علما کی اصطلاحات اور استدلال کو سمجھ نہیں پاتے۔ ان کی رائے میں اس دوری کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جدید دور کا نوجوان دینی علوم سے واقفیت حاصل کرے اور زیادہ سے زیادہ علما کی صحبت میں بیٹھے۔ اس کے برعکس جدید علم الکلام کی تحریک جدید نوجوان نسل کی دین سے دوری کا سبب علما کے مشکل پیرایہ اظہار کو ٹھہراتی ہے۔ چنانچہ جدید علم الکلام کے رہنماؤں نے عالم اسلام میں فروغِ دین کے لیے آسان زبان اور عام فہم بیان کو ضروری قرار دیا۔ برصغیر میں سرسید، الطاف حسین حالی اور مصر میں مفتی محمد عبدہ نے قدیم مسجع مقفیٰ زبان کی بجائے آسان اردو اور آسان عربی کو رواج دیا۔ تاہم برصغیر میں جدید علم الکلام کے خلاف جو شدید ردِ عمل پیدا ہوا اس کی وجہ سے آسان اردو کی تحریک بہت جلد ناکام ہو گئی اور پر شکوہ الفاظ، قافیہ نما جملوں اور جذباتی طرز بیان کے رواج سے ابلاغ کی بجائے انشا پردازی ترجیح قرار پائی۔ سرسید کی آسان زبان کی تحریک کو ناکام بنانے میں غالباً مولانا ابوالکلام آزاد سرفہرست ہیں جنہوں نے اردو کو خطیبانہ رنگ دیا۔ ان کے اسلوب تحریر میں الفاظ کی گھن گرج میں معانی کی آواز دب کر رہ گئی۔ خطابت میں جوش

وجذبات کو اولیت اورغور وفکر کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ سیاسی گفتگو ہو یا دینی استدلال، دینی حمیت اور قومی عصبیت کارگر اور عقل وخرد کمزور ہتھیار ٹھہرے۔

جدید علم الکلام کی مخالفت میں جذباتی ردِعمل کی کامیابی کا ایک نقصان یہ ہوا کہ کسی بات کے قبول عام کو اس کا سند جواز سمجھ لیا گیا۔ اس کی وجہ سے ہمارے علما اور سیاسی رہنما عوام کی فکری رہنمائی کی بجائے اس تگ ودو میں مصروف ہو گئے کہ عوام میں کیسے مقبول ہوں۔ مسلم معاشروں کے جن رسوم ورواج کی اصلاح کے لیے وہ اٹھے تھے اب انہی کے جواز میں قوت صرف کرنے لگے۔ بلکہ خود اصلاح کی بات کرنے والے تکفیری فتووں کی زد میں آ گئے۔ تقلید کا جو رویہ مصلحین کے نزدیک قابلِ اصلاح تھا اسے اجماع امت کا درجہ دے دیا گیا۔ قرآن وسنت کی جو تعبیر، تقلید اور اجماع کے معیار پر پورا نہ اترے اسے بدعت، قابل مذمت بلکہ کفر قرار دے دیا گیا۔

اس طرز فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف رائے کا احترام جو امت مسلمہ کا طرہ امتیاز رہا ہے اب قابل مذمت ٹھہرا۔ اسی اختلاف رائے کے احترام کی بنیاد پر اسلام کو دنیا کی مختلف اقوام میں یکساں پذیرائی ملی تھی جو زبان، رنگ، معاشرت اور طرز معیشت کے اختلاف کی بنا پر مختلف ثقافتوں کی حامل تھیں۔ اختلاف رائے کے اسی احترام نے فقہ اسلامی میں بیس سے زیادہ مذاہب کو رواج دیا تھا جن میں سے نو مذاہب آج بھی رائج ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی خارج از اسلام قرار نہیں دیا گیا۔ اسی طرح تصوف کے مسالک میں بھی بیس سے زیادہ سلاسل موجود ہیں۔

ہماری تاریخ یہ ہے کہ اصول فقہ میں اختلاف فقہا کو ایک مثبت اور فطری عمل سمجھا جاتا تھا۔ فقہ کی کسی کتاب کو بھی اٹھائیں، ہر باب میں، ہر فصل میں فقہا کے اختلاف رائے کا ذکر ہے۔ صرف مختلف فقہی مذاہب کے درمیان ہی نہیں بلکہ ایک ہی مذہب کے فقہا کے مابین بھی یہ اختلاف موجود ہے۔ حتیٰ کہ فتاوی عالمگیری کے مطالعہ سے بھی آپ اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کی سرپرستی میں برصغیر کے قاضیوں کی رہنمائی کے لیے یہ کتاب اس لئے ترتیب دی گئی تھی کہ حنفی مذہب پر ایک مستند ماخذ ان کو دستیاب ہو۔ تاہم اس میں بھی فقہا کے ہاں اختلاف رائے کے اصول کو ملحوظ رکھا گیا۔

فقہی ادب میں اختلاف فقہا ایک اہم موضوع ہے۔ جس کی مثال مندرجہ ذیل چند کتب ہیں جو جلیل القدر فقہا کی تصانیف ہیں۔

۱۔ محمد بن نصر المروزی (م ۹۰۵ء): اختلاف الفقہا
۲۔ محمد بن جریر الطبری (م ۹۲۲ء): اختلاف الفقہا
۳۔ ابن عبد البر (۱۰۷۷ء): کتاب الانصاف فی مابین العلماء من الاختلاف
۴۔ ابو محمد عبد اللہ بن السید البطلیموسی (م ۱۱۲۷ء) الانصاف فی التنبیہ علی اسباب الاختلاف
۵۔ عبد الوہاب الشعرانی (م ۱۵۶۵ء): المیزان الکبریٰ
۶۔ شاہ ولی اللہ (م ۱۷۶۲ء): الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف
۷۔ مصطفیٰ سعید الخن (مطبوعہ ۱۹۷۲ء) آثار الاختلاف فی القواعد الاصولیہ فی اختلاف الفقہا
۸۔ طہ جابر العلوانی (مطبوعہ ۱۹۸۷ء) ادب الاختلاف فی الاسلام